اللہ — خُدا کا ذاتی نام

از مولانا عبد الحق ودیارتھی

غالباً ہر ایک پڑھا لکھا شخص جانتاہے کہ اسماء ہمیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک اسماء ذات (Proper Names) اور دوسرے اسماءصفات (Attributes) کہلاتے ہیں۔ صفات اکثر مشترک اور بکثرت ہوتی ہیں اس لئے محض صفات کے بیان کرنے سے کسی شے کی بالکلیہ شناخت نہیں ہوتی جب تک اس شئے کا اسم ذات نہ بتادیا جائے۔ مثلاًایک شخص کسی درخت کی نسبت بیان کرتاہے کہ وہ بہت بڑاہے،اس کا سایہ بہت اچھاہے، بعض لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں،اس کا پھل جانور خوشی سے کھاتے ہیں،اس کے پتے پان کی شکل کے ہوتے ہیں، مگر ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتاکہ یہ شخص کس درخت کاذکر کررہاہے۔درخت کی تمام کی تمام صفات جواس نے بیان کی ہیں ایک بجھارت اور معمہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض اوقات توکسی شے کی صدہا صفات سن کر بھی ہمارا آخری سوال یہی ہوتاہے کہ وہ کیا چیز ہے یااس کانام کیاہے کہ جس کی آپ اتنی خوبیاں بیان کررہے ہیں۔ لیکن اگر متعدد صفات بیان کرنے کی بجائے صرف اس درخت کانام بتادیا جائے کہ وہ پیپل کادرخت ہے توہر شخص جس نے یہ درخت کبھی پہلے دیکھا ہوگا فوراًاسے سمجھ لے گااور نام کے ساتھ ہی اس کی ساری صفات اس کے علم کے مطابق ذہن میں مستحضر ہوجائیں گی۔بعینہ اسی طرح تمام مذاہب اس خدا کی صرف ایک ایک صفت کواس کااعلیٰ نام قرار دے رہے ہیں۔ ہم ان سے یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ تمام صفات جو آپ لوگ بیان کررہے ہیں بہت اچھی اور نہایت اعلیٰ اور خدا کی شان کے شایان ہیں مگر ہم ان اعلیٰ صفات کے رکھنے والی ہستی کانام پوچھتے ہیں کہ کیاہے اور وہ ذاتی نام وہی ہوناچاہئے جوان تمام صفات پر حاوی یاان کے قائم

مقام ہو۔ خدا کا تصور کامل نہیں کہلا سکتا جب تک کل صفات کو اپنے اندر جمع کرنے والا اس کا کوئی اسم ذات نہ ہو کیونکہ کوئی ایک خاص صفت یا صفاتی نام دوسری تمام صفات کا موصوف نہیں کہلا سکتا۔ پس اس ذات کے تمام وہ نام کہ جو مختلف مذاہب اور اقوام میں مروج ہیں اسم ذات یا مستجمع جمیع صفات کاملہ کا مفہوم پیدا نہیں کر سکتے۔

خدا کا ذاتی نام ایک ہی ہو سکتا ہے

اگر کل قوموں اور ملکوں کا خدا ایک ہی ہے تو اس کا تصور بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ اس لحاظ سے اس کا ذاتی نام کہ جو فی الحقیقت اس کے تصور کا نقطہ مرکزی ہے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر خدا کا یہ تصور کہ وہ مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ ہے معقول اور درست ہے تو پھر اسکا ذاتی نام بھی وہی ہو سکتا ہے کہ جو اس تصور کو ہمارے اندر پیدا کر سکے اور اس کا یہ نام باقی تمام صفات پر ترجیح پائے گا اور وہ کل دنیا کی قوموں اور مذاہب کا مشترک نام ہو گا۔ یا تمام اقوام اور مذاہب عالم کے تصور ذات باری میں رشتہ اتحاد اور حبل متین کا کام دے گا۔ ہمارا دعوے ہے کہ ایسا کوئی لفظ عربی زبان کے سوا دنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں کہ جس کے معنے مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ ہوں خواہ وہ زبان سنسکرت ہو یا انگریزی ہو یا کوئی قدیم سے قدیم زبان ہو[1]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں اصول یہ ہے کہ جب کسی مضمون یا عبارت کا ترجمہ کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں کیا جاتا ہے تو ہمیشہ اسماء ذات (Proper Names) کا ترجمہ نہیں کیا جاتا اور باقی تمام عبارت اور صفات کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً جب کبھی آپ کسی شخص کے متعلق کوئی مضمون انگریزی، عربی، فارسی

[1] فی الحقیقت یہ دعویٰ ہمارا اپنا دعویٰ نہیں۔ قرآن کریم نے خود اس کی تحدی کی ہے۔ فرمایا: ھل تعلم لہ سمیا (19:65) اے مخاطب کیا تو اس نام کے مقابل کوئی اور نام بھی جانتا ہے کہ جو معنوی خوبیوں کے لحاظ سے اس کے برابر اتر سکے یا خدا کے تصور کا ایسا اعلیٰ مفہوم پیدا کر سکے۔

یا سنسکرت زبان میں لکھیں تو آپ اس شخص کے نام کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں کریں گے ورنہ مضمون بے معنی اور مہمل ہو جائے گا۔ اسی طرح خدا جو تمام دنیا کی اقوام اور مذاہب میں ایک معروف ہستی ہے اور تمام الہامی مذاہب اسی خدائے واحد کی طرف سے ہیں اسکے ذاتی نام کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیسے ہو سکتا تھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانی ذہن نے بتدریج ارتقا کی منازل کو طے کیا ہے اس لئے اس کا تصور ذات باری بھی زیادہ شائستہ اور مکمل ہوتا گیا ہے تاہم جس طرح خدا کی ذات ہمیشہ سے ہمہ صفت موصوف موجود تھی اسی طرح اس کا ذاتی نام بھی کہ جو اس تصور کو ظاہر کرتا ہے موجود تھا اگرچہ انسانی ذہن میں نہ تصورات باری کامل تھا اور نہ اس کے نام کا صحیح مفہوم ہی دلنشیں تھا۔

خدا کے اسم ذات کیلئے چند ایک ضروری شرائط

1۔ قرآن کریم کے جملہ الحمدللہ میں یہ بھی ایک خوبی ہے کہ اسم اللہ کو تمام قسم کی حمد (خوبی اور تعریف) کا موصوف اور مستحق ٹھہرایا گیا ہے اور سارے قرآن کریم میں اسی اسلوب بیان کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کسی ایک جگہ بھی اس نام کو کسی دوسرے موصوف کی صفت نہیں قرار دیا گیا۔ بعینہ جس طرح کوئی شخص پیپل کے نام کو اس کی کسی دوسری صفت کی صفت نہیں قرار دے سکتا، اسی طرح خدا کے اسم ذات کو بھی تمام صفات کا موصوف ہونا چاہیئے۔ جو شخص اپنی مذہبی کتاب میں سے کوئی اور لفظ اس ذات کے لئے بطور اسم ذات پیش کرے اس کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب میں سے یہ بھی ثابت کرے کہ وہ نام ہمیشہ اس کی کتاب میں باقی تمام صفات کے موصوف کے طور پر استعمال ہوا ہے اور کسی دوسرے صفاتی نام کی صفت واقع نہیں ہوا کیونکہ صفات تو ہمیشہ ذات کی تابع ہوتی ہیں مگر ذات کسی ایک صفت کے نیچے نہیں لائی جا سکتی۔

2۔ عربی زبان میں لفظ اللہ کبھی کسی غیر معبود یا کسی شے کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ لسان العرب میں لکھا ہے: اسم مختص للہ لایجوزان یسمی بہ غیرہ یعنی ''یہ اسم اللہ ذات باری کے لئے خاص ہے، اس لئے یہ جائز نہیں کہ کسی اور شے کا نام اللہ رکھا جائے'' پس اس بناپر اسم ذات باری تعالیٰ کے لئے یہ بھی ایک ضروری شرط ہے کہ اس کا اطلاق کسی دوسری چیز پر نہ ہو سکے تاکہ توحید الٰہی میں شبہ وارد نہیں ہو سکے۔

3۔ دنیا میں اگرفی الواقعہ کوئی چیز اپنی صفات کے لحاظ سے احد اور لاشریک ہو تو اس کے نام کا کوئی مصدر، دھاتو، یامادہ (Root) نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ مصدر یا مادہ سے ہمیشہ الفاظ کی برادری پیدا ہوتی ہے اوراس برادری کے تمام افراد آپس میں ایک گونہ اشتراک معنوی رکھا کرتے ہیں۔ مگر خدا چونکہ رشتے اور برادریوں سے پاک ہے، اس کے نام کا بھی کوئی مصدر یامادہ نہیں ہونا چاہئے تاکہ اس کی ہستی شرک کے ہر قسم کے شائبہ سے پاک رہے۔ عربی زبان میں لفظ اللہ کا کوئی مادہ اور مصدر نہیں۔ جو صاحب اس نام کے مقابل اس ذات کا کوئی اور اسم ذات پیش کریں تو یہ خوبی بھی ان کو اس نام میں ثابت کرنی پڑے گی۔

پنڈت رام چند دہلوی کے اعتراض کا جواب

بعض حضرات اس دلیل پر یہ اعتراض کریں گے کہ جب لفظ اللہ کا کوئی ماخذ یامادہ نہیں ہے تو کس طرح معلوم ہوا کہ اس لفظ کے معنی مستجمع جمیع صفات کاملہ ہیں کیونکہ الفاظ ہمیشہ مصدری معانی کی بناپر اپنا مفہوم ظاہر کرتے ہیں۔ میرے دوست پنڈت رام چندر دہلوی نے دوران مناظرہ میں اس پر یہ بھی مستزاد کیا کہ جب لفظ اللہ کا کوئی مادہ نہیں تو اللہ کے معنی ہی کیوں مستجمع جمیع صفات کاملہ ہیں۔ پلا اور کلا کے یہ معنی کیوں نہیں۔ ان لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی زبان میں بھی ابتداء اسماء مصادر سے نہیں بنائے گئے اور نہ دنیا میں کوئی ایسا زمانہ گذرا ہے کہ جب لوگ صرف مصادر اور مادوں کو استعمال

کرتے تھے اور پھر ان سے اسماء اور افعال بنائے گئے ہوں۔ ہمارے آریہ دوستوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ وید ہی وہ کتاب ہے جو نسل انسانی کو سب سے پہلے دن دی گئی اور لوگوں نے نہ صرف مختلف زبانیں بلکہ سنسکرت زبان بھی ان ہی ویدوں سے سیکھی۔ اس سے پہلے لوگوں کی کوئی زبان نہ تھی۔ اگرچہ یہ ایک نامعقول خیال ہے کیونکہ زبان جاننے کے بغیر ویدوں کا سمجھنا کیسے ممکن تھا، تاہم پنڈت رامچندر کی اس بودی دلیل کو کہ جس پرماتمانے گنگے کو زبان دی اسی پرماتمانے ان کو زبان نہ جاننے کے باوجود وید سمجھا دیئے۔ ہم تسلیم کئے لیتے ہیں اور ان سے یہ پوچھتے کہ کیا ویدوں میں مصادر اور مادے ہی ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں بلکہ اسماء اور افعال استعمال ہوئے ہیں اور اس سے پیشتر تو آپ کے خیال میں زبان کا وجود نہیں تھا تو افعال کس زمانہ میں مصادر اور مادوں سے بنائے گئے۔ اسماء اور افعال کے مادے اور مصدر بتانے والا پانی منی تو ہزاروں سال میں بعد ہوا۔ علم الالسنہ سے یہ ثابت ہے کہ ہر ایک زبان کی طبعی ترتیب یوں ہے کہ پہلے اسماء ہوتے ہیں پھر ان سے افعال بنتے ہیں اور ایک عرصہ دراز کے بعد جب قواعد زبان کی تدوین ہوتی ہے تو چند ایک ہم شکل اسماء اور افعال سے ایک قدر مشترک نکال کر ان کا مادہ یا مصدر قرار دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اسماء اور افعال کے مصادر اور مادوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض افعال اور اسماء ایسے بھی ہیں جن کے متعلق ابھی تک کچھ طے نہیں ہوا کہ ان کا مادہ کیا ہے۔ علماء سنسکرت بھی اس میں شامل ہیں۔ جن اسماء اور افعال کے مادے اور مصادر معلوم نہیں ہو سکے اہل زبان ان کو استعمال کرتے ہیں اور ان کے معانی کے لئے اہل زبان ہی سند سمجھے جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے اِس حقیقت کا انکشاف وعلم اٰدم الاسماء کلھا (2:31) میں کیا ہے، کہ آدم کو پہلے اسماء ہی سکھائے گئے اور نسل انسانی کا ہر ایک بچہ پہلے اپنی زبان کے اسماء ہی سیکھتا ہے، افعال کا مرتبہ بعد میں آتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے آریہ دوست بھی

اپنے بچوں کو پہلے مصادر اور مادے نہیں سکھاتے۔ بابا، چاچا، ماتا، دودھ وغیرہ اسماء ہی سکھاتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ افعال سکھاتے ہیں۔ دھاتو اور مصادر تو شائد گوروکل میں پڑھے بغیر کوئی سیکھتا بھی نہیں۔

پس الفاظ کے معانی کی صحت کا معیار ان کے دھاتو اور مصادر نہیں بلکہ اہل زبان کا استعمال ہے، ورنہ ہم پوچھتے ہیں کہ مصادر اور مادوں کے معانی کی صحت کا معیار کیا ہے آپ اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکتے کہ اہل زبان کا استعمال پنڈت رام چندر دہلوی سے شملہ میں ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ :۔

1۔ اوم کے معنے حفاظت کرنے والے کیوں ہیں؟

2۔ تھوم[1] کے معنی حفاظت کرنے والا کیوں نہیں؟

آپ کا جواب یہ دیں گے کہ چونکہ 'اوم' کا مصدر 'او' ہے کہ جس کے معنی حفاظت کرنا ہیں ، لہذا اوم کے معنی حفاظت کرنے والا۔ میں پوچھتا ہوں اَوْ کے معنی حفاظت کرنا کیوں ہیں؟ آپ اس کے سوا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ اہلِ زبان اس کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں ورنہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تھوم کے معنے حفاظت کرنے والا ہیں اور اس کا مصدر تُھو ہے اور آپ از روئے قواعد زبان اس کی تردید نہیں کر سکتے۔ سوائے اس کے کہ آپ یہ کہدیں کہ سنسکرت لغت یا زبان اس کی شہادت نہیں دیتی۔ پس الفاظ کے معانی کے لئے اصل معیار اہل زبان کا استعمال ہے نہ اور کچھ۔ البتہ عربی زبان میں جو الفاظ کا فلسفہ ہے اس کو ہم کسی اور موقعہ پر بیان کریں گے۔ پس لفظ اللہ کے معنوں کے لئے سند لغت عرب اور اہل زبان کی شہادت ہے کہ جو اس کے معنی مستجمع جمیع صفات کاملہ بتاتی ہے اور یہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ خدا کی کوئی برادری نہیں اس لئے اسکے نام کی بھی برادری نہیں ہونی چاہئے۔

[1] یہ ثوم (لہسن) کا پنجابی لفظ ہے۔ یہ ''پلا اور کلا'' کا ترکی بہ ترکی جواب تھا۔

کیونکہ اسماء ہمیشہ مسمیات کے باہمی تعلقات اور رشتوں کے لحاظ سے اپنے مادہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ خدا کی برادری نہ ہونے سے عربی زبان میں اس کے نام کی بھی کوئی برادری نہیں اس لئے اس کے مادہ کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ہونی چاہیئے۔

اسمِ ذاتِ باری معلوم کرنے کا ایک اور معیار

جو صاحب اپنی کتاب یا مذہبی زبان میں سے اس ذات کا کوئی نام پیش کریں ان کو یہ بھی لازم ہے کہ وہ کوئی ایسا نام پیش کریں کہ اس لفظ کا تثنیہ اور جمع کا صیغہ اس کتاب یا زبان میں نہ ہو تا کہ بہت سے خدا ہونے کا شبہ نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس کے ذاتی نام کا تثنیہ اور جمع بھی استعمال میں آتے ہوں تو خدا کے ایک ہونے کی کوئی دلیل اس کتاب کے اندر نہ رہیگی۔

اسی طرح اس نام کی تانیث بھی نہیں ہونی چاہیئے تا کہ مذکر اور مونث (دیوتا اور دیوی) دو خدا سمجھے جانے کا دھوکا نہ ہو۔ جیسا کہ بعض مذاہب اسی غلطی سے میاں بیوی دو خدا مان بیٹھے۔

اسمِ ذات اللہ کے سوا جتنے بھی نام اس ذات کے غیر مذاہب کی کتابوں سے ہم نے گزشتہ صفحات میں گنوائے ہیں وہ اسمِ ذات اس لئے نہیں ہو سکتے کہ :

1. بعض نام مرکب ہیں اور مفرد الفاظ سے مل کر بنے ہوئے ہیں۔
2. خدا اور غیر خدا دونوں پر ان اسماء کا اطلاق ہوتا ہے۔
3. وہ ایسے صفاتی نام ہیں جو ایک ایک صفت کو ظاہر کرتے ہیں تمام صفات باری پر حاوی نہیں ہیں۔
4. الہامی کتابوں میں ان تمام اسماء کو باقی تمام صفات کا موصوف نہیں ٹھہرایا گیا۔
5. ان کا ترجمہ دوسری زبانوں کے ایک ایک لفظ میں ہو سکتا ہے۔

6. ان کے مادے اور مصادر ان کی زبانوں میں موجود ہیں کہ جن سے خدا کے نام کی برادری پیدا ہوتی ہے۔
7. ان کا تثنیہ، جمع اور تانیث ان زبانوں کے اندر موجود ہے کہ جس سے کثرت آلہہ کا شبہ ہو سکتا ہے۔

اسمِ ذات اللہ ان تمام نقائص سے پاک ہے۔

پنڈت رام چندر دہلوی کا ایک اور اعتراض

قرآن کریم سے پیشتر بھی یہ لفظ موجود تھا یا نہیں؟ اگر موجود تھا تو پھر یہ اسلام کی کوئی مخصوص خوبی نہیں اور اگر نہیں تھا تو خدا نے دوسری قوموں کو اس اسمِ اعظم سے کیوں محروم رکھا کہ جو اس کے تعصب پر دلالت کرتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ یہ نام اسلام سے پیشتر بھی موجود تھا بلکہ تمام عظیم الشان مذاہب کو یہی نام اس ذات کا بتایا گیا تھا لیکن قرآن اور عربی زبان اس لفظ کے لئے کسی غیر قوم کی شرمندہ احسان نہیں۔ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ اس کو ہم ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں اور اس موضوع پر خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب 'ام الالسنہ' ایک بہترین کتاب ہے (ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اس پر کچھ لکھیں گے)۔ یہ ہمارا عقیدہ اور یقین ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں عربی سے نکلی ہیں اور عربی یقیناً الہامی زبان ہے۔ پس لفظ اللہ خود خداوند عالم کا الہام کردہ نام ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب میں یہی نام پایا جاتا رہا ہے لیکن امتداد زمانہ اور لوگوں کی اپنی ضلالت آفریں عادات و حرکات سے آہستہ آہستہ یہ لفظ طاق نسیاں ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ قدیم زمانہ میں لوگ اپنے مذہب کو غیر اقوام سے پوشیدہ رکھتے تھے بلکہ اپنی قوم میں بھی ایک خاص خاندان کو امامت پر پروہتائی کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ وہی لوگوں کو مذہبی کتب پڑھ کر سنانے کا اختیار رکھتا تھا۔ ہندوستان میں برہمن اور بنی اسرائیل میں حضرت ہارون کا خاندان اس کے لئے مقرر چلے آتے تھے۔ یہ لوگ جو چاہتے تھے لوگوں کو

سناتے تھے۔ دوسرے لوگ ان سے پڑھ کر بھی اور لوگوں کو پڑھانے کے مجاز نہ تھے۔ ہندوستان میں شودر دین کا علم حاصل نہیں کر سکتا تھا، کشتری اور ویش پڑھ سکتے تھے مگر کسی کو پڑھا نہیں سکتے تھے، پڑھانے کا حق صرف برہمن کو حاصل تھا۔ مذہب کی اعلیٰ درجہ کی باتیں عموماً پردہ راز میں رکھی جاتی تھیں۔ شودر کے کان میں وید منتر پڑ جانے سے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالدیا جاتا تھا۔ وید منتر شودر کی زبان پر جاری ہو جاتا تو اس کو کاٹ دیا جاتا اور اگر اس کے دل میں یاد ہو جاتا تو اس کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔[1]

بنی اسرائیل میں خدا کا نام لینے کی سزا سنگساری تھی

دوسری طرف یہود کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی خدا کا نام لینا بے ادبی خیال کرتے تھے اور یہ امر مشرقی تہذیب کا مطالعہ کرنیوالوں کو کوئی اچنبا معلوم نہیں ہو گا۔ یہاں ہمارے ملک میں رواج ہے کہ عورت اپنے شوہر کا نام لینا سوءِ ادب سمجھتی ہے۔ مرید اپنے پیر کا نام لینا گستاخی سمجھتے ہیں۔ یہود میں خدا کا نام نہ لینے کے خیال نے یہاں تک زور پکڑا تھا کہ انہوں نے خروج 7:20 اور استثناء 5:11 کی غلط تعبیر کرتے ہوئے خدا کا نام لینا قابل مواخذہ قرار دیا۔ چنانچہ احبار 24:15 کی تفسیر میں لکھا ہے:

> "Josephus, who as a priest knew the pronunciation of the name, declares that religion forbids him to divulge it; Philo calls it ineffable, and says that it is lawful for those only whose ears and tongues are purified by wisdom to hear and utter it in a holy place (that is, for priests in the temple); and in another passage, commenting on Lev. xxiv. 55 seq.: 'If anyone, I do not say should blaspheme against the Lord of men and gods, but should even dare to utter his name

[1] دیکھو ویدانت شاست 3:38 اپر شنکر۔ رامانج۔ مادھو وغیرہ کی شرح اور گوتم سمرتی ادھیاء 12 شلوک ا۔

unseasonably, let him expect the penalty of death'." [1]

اس فتوے کی بناء پر جو شخص بیت المقدس کے باہر خدا کا نام لیتا تھا وہ گردن زدنی اور کشتنی سمجھا جاتا تھا کیونکہ کتاب استثناء 12:11اور سلاطین اول 8:16, 29, 44 وغیرہ وغیرہ کی بناء پر خدا کا نام صرف مقدس کاہن سے مقام ہیکل میں اور مقدس دن لیا جانا چاہئے تھا۔ ہیکل کے باہر عام لوگ خدا کے مقدس نام کی بجائے اودنی (Adonai) کہا کرتے تھے۔ خانیہ بن تراون نامی ایک شخص کو اس بنا پر سزا دی گئی کہ اس نے ہیکل سے باہر اپنے شاگردوں کو خدا کا نام سکھا دیا تھا۔ خدا کا مقدس نام سکھا دینے پر کسی شخص کو سزا دینا یہ انتہا درجہ کی وحشت اور کمی عقل کا ثبوت ہے۔ لیکن اس کو کیا کیجئے کہ ایک طرف ہندوستان میں اگر برہمنوں کی ذہنیت یہ تھی کہ وہ اپنے مذہب کی اعلیٰ تعلیم کو غیر اقوام میں پھیلانا کفر سمجھتے تھے اور ویدوں کی آیات کا نام منتر رکھتے تھے کہ جس کے معنی گپت بھاشن یعنی خفیہ کلام کے ہیں۔ اس لئے کہ اس کو بلند آواز سے نہیں بلکہ خفیہ ایک دوسرے کے کان میں کہتے تھے تو دوسری طرف یہود کی وہ حالت تھ کہ جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کا اسم اعظم ان قوموں سے گم ہو گیا کیونکہ وہ اس کی انتہائی عظمت کی وجہ سے اس کو بہت ہی خفیہ رکھتے تھے۔ یہود نے خداوند الوہ کا اصلی تلفظ اللہ بھلا دیا اور اس کی جگہ "یہودہ" (Jehovah) یعنی "وہ جو ہے" بطور اسم اشارہ ان میں رواج پا گیا۔ پس یہووہ (یاہو) کا اشارہ دراصل اس نام کی طرف ہے کہ جو رفتہ رفتہ ان سے گم ہو گیا۔ اور اس امر کی شہادت جیوش (Jewish) انسائیکوپیڈیا اور انسائیکلوپیڈیا ببلیکا (Biblica) سے ملتی ہے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ محفوظ نہیں رہا اور تورات مقدس سے یہ بھی ثابت ہے کہ خدا کا نام یہودہ قدیم نام نہیں بلکہ اس میں لکھا ہے کہ: "ابراہیم، اسحاق اور یعقوب مجھے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا (Encyclopaedia Britannica, 1911 edition, under *Jehovah*.)

اشدائی کے نام سے جانتے تھے اور یہودہ کے نام سے واقف نہ تھے“(خروج،6:3)۔

یہود نے اللہ کا اِلوَہ بنالیا

تورات میں خداوند عالم کا نام ایلوہیم (Elohim) کہ جو اس کی پہلی آیت براشیت برء ایلو ھیم میں موجود ہے۔ ایلوہیم کا واحد الوہ (Eloha) ہے۔ یہود کے بعض فرقوں کے نزدیک ایلوہیم خدا کا اعلیٰ نام تھا اور بعض کے نزدیک یہودہ لیکن تورات کی مذکورہ بالا دو شہادتوں سے یہ امر ثابت ہے کہ ایلوہیم یہودہ پر مقدم ہے۔ نیز قدیم زمانہ میں تورات کے دو قسم کے نسخے تھے ان کو آج کل کی اصطلاح میں جے (J) اور اِی (E) کے نسخے کہتے ہیں جو جہودی اور ایلوہیم کے مخفف ہیں۔ جہودی نسخہ والے خداوند کے یہودہ نام کو ترجیح دیتے تھے۔ اور ایلوہیمی والے ایلوہیم کو مقدس سمجھتے تھے۔ تورات کے اس موجودہ نسخہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش کے باب اول میں اور دوسرے باب کی شروع کی آیات تک 35 مرتبہ خدا کا نام ایلوہیم آیا ہے اور ایک دفعہ بھی یہودہ استعمال نہیں ہوا۔ بہر حال دلائل اور بائیبل کی شہادت کی رو سے ایلوہیم یہودہ سے زیادہ قدیم ہے اور یہی پہلا اور اصلی اسم باری موجودہ تورات سے معلوم ہوتا ہے۔

اب ہم اس امر کی تحقیقات کرتے ہیں کہ عبرانی میں یہ لفظ کہاں سے آیا اور اس کی اصل کیا ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا اور انسائیکلوپیڈیا ببلیکا دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ لفظ ایلوہیم کی واحد الوہ ہے۔ خود لفظ ایلوہیم بظاہر جمع کی شکل ہے لیکن اس کا استعمال واحد کے لئے بھی ہوتا ہے کیونکہ باوجود ”یم“ جمع کی علامت کے اسکا فعل اور صفت واحد آتی ہے۔ پس اس لحاظ سے جیوش سائیکلوپیڈیا کی رائے بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ یم کی علامت محض تعظیم اور اعلیٰ فضیلت کی وجہ سے ہے نہ حقیقتاً اظہار تکثر کیلئے، کیونکہ

یہود ذات باری میں کثرت کے ہر گز قائل نہیں۔ سائیکلوپیڈیا مذکور کے فاضل مضمون نویس نے کیا ہی سچ کہا ہے کہ :۔

"In the great majority of cases, both (singular and plural) are used as names of the one God of Israel." (Name of God)

دیکھو کتاب مذکور زیر عنوان اسماء الٰہیہ۔

اِس لفظ اِلوَہ اور ایلو ہیم کے ماخذ اور مصدر پر بحث کرتے ہوئے یہی فاضل لکھتا ہے۔

"The most probable theory is that it may be connected with the old Arabic word alih".

یعنی نہایت غالب رائے یہی ہے کہ یہ لفظ ایلو ہیم اور اِلوَہ قدیم عربی زبان کے آلِہہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو عربی، فنشین، سرین وغیرہ تمام زبانوں میں خدا کا نام ہے۔

اِس لفظی تحقیقات سے یہ امر ظاہر ہے کہ ایلو ہیم یا اِلوَہ عربی سے عبرانی اور تمام سامی زبانوں میں گیا ہے کہ جو لفظ اللہ کی ایک بھولی بسری شکل ہے اور یہی خداوند عالم کا حقیقی واصلی نام تھا جس کو اسلام نے آکر دوبارہ یاد دلایا۔

ویدوں میں لفظ اللہ کی تلاش

جس طرح سے یہ لفظ تمام سامی زبانوں میں خدا کا نام تھا جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے ثابت ہو چکا ہے، اسی طرح یقیناً آرین اقوام کو بھی خدا کا یہی نام بتایا گیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ آج انہوں نے بھی اس اسمِ اعظم کو بھلا دیا اور متعدد دوسرے نام خدا کے تجویز کر لئے۔ واچستنی لغت جو سنسکرت زبان کی بہت ہی پرانی اور ضخیم لغت ہے، اس میں یہ لفظ موجود ہے اور اس کے معنی خدا کے لکھے ہیں۔ گو یہ لفظ موجودہ ویدوں میں بایں تلفظ موجود نہیں مگر ایک عجیب بات جو اس پُرانی لغت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں

اتھرووید کا ایک سوکت (باب) 'اللہ سوکت' کہلاتا تھا گو آج موجودہ اتھرووید میں یہ سوکت نہیں ملتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برہمنوں نے اللہ اپنشد اور اللہ سوکت مسلمانوں سے محض دشمنی کی وجہ سے اتھرووید میں سے نکال دیا۔ نیز 'شبد کلپدرم' مولفہ راجا رادھا کانت میں بھی زیر لفظ اللہ لکھا ہے کہ اللہ سوکت اتھرووید کا سوکت (باب) ہے۔ رگوید میں ایک سوکت 'کا' سوکت ('کون' باب) کہلاتا ہے اور اس 'کا' کو دیوتا ٹھہرایا گیا ہے اور اس کی نہایت معقول تعریف اور تعظیم کی گئی ہے۔ کا آپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے ایک عجیب دیوتا ہے۔ بظاہر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ لفظ 'کون' کس طرح دیوتا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل اسمِ ذات اللہ کو بھول کر 'وہ'، 'وہ' اشارہ کرنے لگے اسی طرح آریہ بھی اس کا نام نہ لیتے ہوئے یا اس کو بھول جانے کی وجہ سے 'کا'، 'کا' یعنی کون کون دیوتا کہنے لگے۔ یعنی اصل نام تو بھول گئے۔ اور کا (کون)[1] کو دیوتا یا خدا بنالیا اس پر مجھے بائیبل کی ایک مثال یاد آگئی:۔

بنی اسرائیل پر جب من اور سلوے کا نزول ہوا تو من کو دیکھ کر وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے مَن مَن (یہ کیا ہے، یہ کیا ہے)[2]۔ جب کچھ پتہ نہ چلا تو اس کا نام ہی من ہو گیا۔ اسی طرح ہندو لٹریچر میں لفظ 'کا' سے خدا کے خفیہ نام کی طرف اشارہ سمجھا جاتا ہے۔ ان حوالجات سے یہ ظاہر ہے کہ وید والے بھی اس ذات کے اصلی نام کو بھول کر کا۔ کا (کون کون) کرتے ہیں اور وہ نام اتھرووید میں کبھی بعینہ موجود تھا۔

غرض خداوند عالم کا وہ اسمِ اعظم جو لفظ یہوہ کا مشار الیہ اور وید کے کا (کون) کا جواب

[1] برہمن گرنتھوں میں اس 'کا' کے متعلق لکھا ہے کہ مخلوق کے مالک نے کہا کہ میں کون ہوں تو اس لئے اس کا نام ہی 'کا' یعنی 'کون' ہو گیا۔ اتیریا برہمن 3/21 اور شپتھ برہمن کانڈ 11، پرپاٹھک 5 برہمن 4 کنڈ کا 1 وغیرہ۔

[2] عبرانی زبان میں من بخلاف عربی ذی روح اور غیر ذی روح دونوں کے لئے آجاتا ہے۔

ہے۔ قرآن کریم نے اس کا نام اللہ بتا کر اقوام عالم کی گمشدہ دولت کو مہیا کر دیا اور اس کو تمام اہل کتاب اور اہل مذاہب کا ایک ہی معبود ٹھہرا کر اتحاد کی یوں دعوت دی:

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ

(3:64) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم "تمام اہل کتاب سے کہہ دو کہ اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کی عبادت نہ کریں۔"

(نوٹ: اسی طرح کا ایک مضمون کتاب 'معارف الحق'، مجموعہ مضامین مولانا عبدالحق ودیارتھی، میں صفحہ 28 تا 40 میں ہے۔ دونوں میں کافی مواد مشترک ہے مگر فرق بھی ہیں۔)

www.abdulhaq.info/articles/islam